

مولانا عبدالشکور ترمذی صاحب سوال و جملہ سرگودھا

تلمیخ و انتخاب از ترجمان السنۃ

قسط

۳

مقام الہی

کتابہ دست کی روشنی میں

یہ سخت غلط فہمی ہے کہ نبوت کو ان کمالات میں سے سمجھ لیا جائے جو پہلی امتوں کو کسی عبادت و ریاضت کے صلہ میں یا انعام کے طور پر تقسیم کئے گئے ہیں۔ یہ صرف تشریعی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک منصب ہے جس میں قدرت اس کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اس کو اس منصب کے لئے منتخب کر لیتی ہے۔

اگر نبوت ان کمالات میں سے ہوتی جو عبادات و ریاضات، پاکبازی، حسن نیت، وغیرہ عبادات کے صلہ میں انعامی طور پر ملتے ہیں تو یقیناً اس کے لئے سب سے موافق زمانہ خود نبی کی موجودگی کا زمانہ ہوتا، کیونکہ عینی عملی جدوجہد، اتباع بشرییت کا تقنا جذبہ خود نبی کے زمانہ میں ہوتا ہے اس کے بعد نہیں ہوتا۔ مگر نبوت کی تاریخ اس کے برخلاف ہے۔ یعنی جب خدا تعالیٰ کی زمین شر و فساد، طغیانی و سرکشی، تکبر و غرور سے بھر گئی ہے، صلاح و تقویٰ کا تخم فاسد ہو گیا ہے، رشد و ہدایت کے آثار محو ہو گئے ہیں، وہی وقت انبیاء علیہم السلام کی آمد کا سب سے زیادہ موزوں قرار پایا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان نہیں ہے کہ نبوت وہ انعام نہیں ہے کہ ولایت و صدیقیت کی طرح امتوں میں تقسیم کی جائے۔ بلکہ دنیا کے انتہائی دور ضلالت میں خدا کی صفت ہدایت کا اقتضاء ہے۔ اس میں کسب و اکتساب اور ماحول کی مساعدت و نامساعدت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نبوت ان کمالات میں سے نہیں ہے جو ریاضات و عبادات کے صلہ میں بطور انعام کسی وقت بھی بخشا گیا ہو بلکہ یہ ایک الہی منصب ہے جس کا تعلق تشریعی ضرورت اور براہ راست خدا تعالیٰ کی صفت اعتبار و اصطفا کے ساتھ ہے وہ جسے چاہتا ہے اس منصب کے لئے چن لیتا ہے۔

رسالت کا مفہوم | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا صحیح اور پورا مفہوم اسی وقت
 ادا ہوتا ہے جبکہ آپ کو خاتم النبیین بھی سمجھا جائے۔ آپ کو صرف رسول اللہ سمجھنا اور خاتم النبیین
 نہ سمجھنا آپ کی حیثیت کے صرف ایک ہی جز کو ادا کرتا ہے۔ اور وہ بھی مشترک جز۔ کہ آپ
 کے منصب عالی کا ممتاز جز خاتم النبیین ہے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی ذات میں جمع ہیں
 اور اس طرح جمع ہیں گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں۔ اس لئے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوت
 کے اقرار کیلئے کافی سمجھا گیا جیسا کہ کلمہ توحید کا اقرار، اس کا اقرار گو رسالت کے اقرار سے ایک
 جدا گانہ شے ہے مگر جو توحید آپ کی حکم برداری میں تسلیم کی جائے وہ اقرار بالرسالت کے ہم معنی
 ہے اس لئے بعض احادیث میں صرف کلمہ توحید کی شہادت کو مدار نجات قرار دیا گیا ہے۔
 اسی طرح آپ کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ سمجھنا چاہئے۔

عقیدہ ختم نبوت ایمان کا جزو ہے | حدیث میں حسب طرح خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے
 کا مطالبہ کیا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ختم نبوت پر بھی ایمان لانے کا
 مطالبہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان آپ کی ختم نبوت
 پر ایمان لانے کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں ولکن رسول اللہ کے ساتھ و خاتم النبیین کا
 لفظ اسی لئے ہے کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اس کے برخلاف آپ
 سے پیشتر جتنے رسول ہوئے وہ صرف رسول اللہ تھے اسی لئے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ
 خاتم النبیین ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص لقب ہے۔ اور آپ نے ہی اس کا
 دعویٰ کیا ہے۔ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لقب صرف بطور مدح نہیں ہے بلکہ یہ
 بہ حیثیت عقیدہ کے ایک عقیدہ ہے۔ خاتم الشعراء اور خاتم المحدثین کی طرح یہ صرف ایک محاورہ
 نہیں ہے۔

رسول اللہ کا تصور | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کیلئے دو باتوں کا تصور ضروری ہے۔
 یہ کہ آپ رسول اللہ ہیں، اور یہ کہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں۔ آپ کے متعلق صرف رسول اللہ کا تصور
 آپ کی ذات گرامی کا ادھورا اور ناقص تصور ہے بلکہ ان ہر دو تصورات پر آپ کا امتیازی تصور
 خاتم النبیین ہی ہے۔

ضروری تنبیہ | جب کسی لفظ کا ایک مفہوم اور اسکی مراد امت مسلمہ کے بتواتر استعمال کرنے
 اور اجماع سے متعین ہو گئی ہو۔ تو قرآن و حدیث میں اس لفظ کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے

اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لغت کی استعمانت یا دیگر شواہد سے اس لفظ کے دوسرے معنی اور مفہوم مراد لے مثلاً وحی کا لفظ ہے۔ لغت میں وہ کس معنی کے لئے ہے اب اس پر بحث کرنی غیر ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں جب اس لفظ کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے دائرہ میں ہوا ہے تو اس کے معنی بندہ اور حق تعالیٰ کے مابین ہمکلامی کے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب کہیں وحی کا لفظ انبیاء و رسل کے بارہ میں استعمال کیا جائے گا تو اس کے یہی مراد لئے جائیں گے یا مثلاً نبی کا لفظ ہے۔ یہ بار سے مشتق ہے اور لغت میں انباء گوہر خبر کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کا عام استعمال اب صرف غیب کی خبروں میں ہوتا ہے۔ تو نبی اللہ کے معنی (فعلیل بمعنی مفعول کا لحاظ کرتے ہوئے) یہ ہوں گے الذی بناہ اللہ، یعنی جسکو اللہ نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دی ہوں۔ اس کے بعد اب ختم نبوت کے مفہوم اور معنی پر غور کیجئے۔

ختم نبوت کے معنی | ختم نبوت کا لفظ ہمیشہ سے امت مسلمہ میں تو اتر کے ساتھ استعمال ہوتا چلا آیا ہے۔ اور ہمیشہ سے اس لفظ کا مفہوم صرف یہ سمجھا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی جدید نبوت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ خواہ وہ کسی قسم اور کسی مرتبہ ہی کی کیوں نہ ہو۔ علیٰ ہذا یا بروزی، تشرعی ہو یا غیر تشرعی ہر قسم کی نبوت ختم کر دی گئی مگر اس معنی سے نہیں کہ آئندہ نفوس انسانہ کو کمال و تکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ اب یہ منصب ہی ختم کر دیا گیا ہے۔

صرف لفظ کا استعمال کافی نہیں | اگر کوئی جماعت صرف ختم نبوت کا لفظ تو استعمال کرتی ہے۔ مگر ان معنوں سے نہیں جن میں کہ عام مسلمان اس کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ تو محض اس لفظ کے استعمال کر لینے سے اس کو عام مسلمانوں کی جماعت میں کیسے شہار کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ صرف حجت و دوزخ، نبوت اور معجزات کے الفاظ استعمال کرنے والے فلاسفہ کو صرف ان الفاظ کے استعمال کرنے سے مسلمانوں کے عقائد سے متفق نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ ان الفاظ کا استعمال ان ہی معنوں میں کرتے ہیں جن میں کہ تمام مسلمان ان کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ کیا تصاریفی اور ہنوز بھی توحید کا اقرار نہیں کرتے۔ مگر کیا صرف لفظ توحید کے استعمال کر لینے سے ان کو اسلامی توحید کا معتقد کہا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان و اسلام کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان حقائق کو اپنے اپنی معنوں میں مانا جائے جن میں کہ وہ ہمیشہ سے مسلمانوں میں مسلم رہے ہیں۔ صرف رسمی الفاظ کی نقالی سے سود ہے۔

ختم نبوت کی عقلی وجہ | سنت اللہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ختم فرمانے کا ارادہ فرماتے

ہیں تو اس کو کامل کر کے ختم فرما رہے ہیں۔ ناقص کو ختم نہیں فرماتے۔ نبوت بھی اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اس لئے مقدر یوں ہوا کہ اسکو بھی ختم کر دیا جائے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم نہ ہو بلکہ جاری رہے تو لازم آئے گا کہ ان کا خاتمہ نقصان پر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک دن عالم کا فنا ہونا ضروری ہے۔ اس سے قبل کسی نہ کسی نبی کا آخری نبی ہونا بھی عقلاً لازم ہے، اب اگر وہ آپ سے زیادہ کامل ہو تو اس کے لئے اسلامی عقیدہ میں گنجائش نہیں۔ اور اگر ناقص ہو تو خاتمہ نقصان پر تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

تفصیل | اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب فطرت عالم پر غور کیا جائے گا تو جز و کل میں ایک حرکت نظر آئے گی۔ ہر حرکت ایک ارتقاء اور کمال کی متلاشی ہوتی ہے، پھر ایک حد پر پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہاں ختم ہوتی ہے وہی اس کا نقطہ کمال کہلاتا ہے۔ انسان کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی نقطہ سے متحرک ہو کر دم و علقہ و مصنتہ کے قالب سے ٹکے کرنا ہوا غلطی آخر پر جا کر ٹھہر جاتا ہے۔ اور اسی کو اسکی استعداد فطری کا کمال کہا جاتا ہے، پیدا ہونے کے بعد اس کے اعضاء میں پھر ایک حرکت اور ایک نشو و نما نظر آتا ہے اور وہ دور شباب پر مکمل ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ اور اسی کو اس کا زمانہ کمال کہا جاتا ہے، نباتات اور اشجار کو دیکھئے تو وہ بھی ایک چھوٹی سی گھٹلی سے حرکت کرتے کرتے ایک تناور درخت بن جاتا ہے آخر کار اس پر پھل نمودار ہوتے ہیں۔ اور جب وہ نمودار ہوتے ہیں تو یہ اس کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اسی کمال پر پہنچ کر درخت کا ایک دور حیرت ختم ہو جاتا ہے، آئندہ اپنے دور حیرت کیلئے پھر اس کو بہت سے انہیں ادوار کو دہرانا پڑتا ہے۔ جن میں سے گذر کر وہ اس منزل تک پہنچا تھا۔ یعنی موسم خزاں آتا ہے اور اس کے دور حیرت کو ختم کر جاتا ہے۔ اگر قدرت کو اس کی پھر نشاۃ ثانیہ منظور نہ ہوتی تو وہ یہ نہی سوکھ کر ختم ہو گیا ہوتا۔ مگر چونکہ اس کو ابھی باقی رکھنا منظور ہوتا ہے اس لئے پھر اسے وہی سبز سبز پتیاں وہی ہری ہری لچکدار ڈالیاں مل جاتی ہیں۔ پھر اس پر پھول آتے ہیں اور آخر میں پھل نمودار ہوتے ہیں۔ جب تک یہ درخت موجود رہتا ہے اسی طرح اپنے ارتقائی مدارج کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دہرایا کرتا ہے۔ جو درخت اپنی ابتدائی کریموں کو پھر نہیں دہرا رہا وہ ایک مرتبہ پھل دے کر اپنی زندگی ختم کر جاتے ہیں۔ جیسے کیلا کا درخت ہے۔

اسی طرح سمجھا جائے کہ عالم نبوت میں بھی ایک تدریج نمایاں ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر تمام شریعتوں پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں،

ہر پھلی شریعت پہلی سے نسبتاً ارتقائی شکل میں نظر آتی ہے۔ اس لئے اس طبعی اصول کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جا کر ختم ہو جس کو اس کا کمال کہا جائے۔

لیکن جب خود نبوت ہمارے اور اک سے بالاتر حقیقت ہے تو اس کے آخری نقطہ کمال کا ادراک بدرجہ اول ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہئے۔ اس لئے ضروری ہے کہ قدرت خود اسکی کفالت فرمائے اور خود ہی اس کا اعلان کر دے کہ نبوت کا ارتقاء جہاں ختم ہوا ہے، وہ مرکزی اور کامل ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہستی ہے۔ قرآن کریم میں اس کا اعلان فرماتے ہوئے

ولکن رسول اللہ دعاتہ النبیین کے بعد فرمایا ہے۔ **وكان الله بكل شيء عليم**۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا علم ہے وہ ہی یہ جانتا ہے کہ نبیوں میں خاتم النبیین اور آخری نبی کون ہے، یہ بات تمہاری دریافت سے باہر ہے کہ تم معلوم کر سکو کہ اس کے رسولوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے ان میں اول کون ہے اور آخری کون ہے۔

نبوت نے اپنا مقصد پایا | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نیا رسول نہیں آئے گا۔ کیونکہ اگر کوئی رسول آئے تو یا تو وہ آپ سے افضل ہوگا یا مفضول، اگر افضل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبوت نے ابھی تک اپنے اس کمال کو نہیں پایا جس کے لئے وہ متحرک ہوئی تھی اور اگر مفضول ہو تو کمال کے بعد پھر یہ نزولی حرکت اسی وقت مناسب ہو سکتی ہے جبکہ عالم کی پھر نشاء ثانیہ تسلیم کی جائے۔

لیکن چونکہ دنیا کی اہل مقدر پوری ہو چکی تھی اس لئے ضروری تھا کہ نبوت آخری اینٹ بھی لگا دی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ دنیا کی عمر کے ساتھ قصر نبوت کی بھی تکمیل ہو گئی ہے۔ اور نبوت نے اپنا مقصد پایا ہے۔

ختم نبوت دینی ارتقاء اور خدا تعالیٰ کے انتہائی انعام کا اقتضاء ہے اور وہ کمال ہے کہ اس سے بڑھ کر امت کے لئے کوئی اور کمال نہیں ہو سکتا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ اتنے عظیم الشان کمال کو برعکس محرومی سے کیسے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

دین اسلام کامل ہو چکا ہے اس کی روشنی اقتضاء عالم میں پھیل چکی ہے۔ خدائی نعمت پوری ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور ہمیشہ کے لئے ایک اسلام ہی پسندیدہ دین ٹھہر چکا ہے۔ اس لئے آئندہ نہ گمراہی اتنا تسلط حاصل کر سکتی ہے کہ ہدایت کو فنا کر دے اور اس کے تمام چہرے خشک ہو جائیں، اس کی ایک کڑی تنبیہ ہے کہ کسی رسول کے آنے کی ضرورت

باقی ہے۔

ختم نبوت و حقیقت اس کا اعلان ہے کہ نور نبوت اب تمام عالم کو اس طرح روشن کر چکا ہے کہ اب کفر خواہ کتنا ہی سر پٹکے مگر وہ اس کے بجھانے سے بچھ نہیں سکتا۔ خدا کا اقرار اور اس کے صفات کی معرفت، غیب کا یقین، اب مجموعہ عالم کا اس طرح جزو بن چکے ہیں اگر کہیں اس مرتبہ پھر یہ معرفت ختم ہوگئی تو بس اس کے ساتھ ہی عالم کی روح بھی نکل جائے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

بڑی غلط نہیں | یہ بڑی غلط نہیں ہے کہ ختم نبوت کو کمالات کے ختم کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔
ہمارے اس بیان سے روشن ہو گیا کہ نبوت کا ختم ہونا تو خدائی نعمت کے اتمام اور دین کے انتہائی ارتقاء و عروج کی دلیل ہے، البتہ کمالات و برکات کا خاتمہ بلاشبہ محرومی ہوتی مگر روایات سے ثابت ہے کہ امت مرحومہ کے کمالات تمام امتوں سے زیادہ ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے بنی کو بھی اس امت کے کمالات سن کر تمنا ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اس امت کے ایک فرد ہوتے۔

ایک مغالطہ | ایک مغالطہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نبوت کی بندش گویا آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو شاید کچھ اور افراد کو نبوت مل جاتی۔ یہ بھی انتہائی بھالت ہے، خاتم النبیین کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں آپ سب سے آخری نبی ہیں۔ اس لئے آپ کی آمد ہی اس وقت ہوئی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ایک ایک فرد آچکا تھا۔ اس لئے آپ کی آمد نے نبوت کو بند نہیں کیا بلکہ جب نبوت ختم ہوگئی تو اس کی دلیل بن کر آپ تشریف لائے ہیں اور اس معنی سے آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اگر علم ازلی میں کچھ اور افراد کیلئے نبوت مقدر ہوتی تو یقیناً آپ کی آمد کا زمانہ بھی ابھی اور مؤخر ہو جاتا۔

ناحش غلطی | سب سے زیادہ ناحش غلطی یہ ہے کہ اس پر غور نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کے لئے ہوتی تھیں اس لئے ہر نبی کے بعد لامحالہ دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی، لیکن جب وہ نبی آگیا جسکی نبوت کسی خطہ کسی قوم اور کسی زمانہ کے ساتھ سفید نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ اسکی مرہود کے زمانہ میں۔

آپ کا دورہ نبوت دوسرے انبیاء کی طرح ختم نہیں ہوا۔ پس درحقیقت نبوت تو اب بھی

باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کافی تر ہے ہاں نبی اور کوئی باقی نہیں رہا جب آپ کی نبوت باقی رہے تو اسے جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔
 ہنوز آں ابر رحمت، درفشال ست خم و غمخانہ بامہر نشان ست
 آپ کا تشریف لانا تمام جہاں کی رحمت ہے | اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خاتم بذات خود تمام جہاں کے لئے رحمت بن کر آگیا ہے اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوتی کہ اس راستہ سے اب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا نہ کسی اور رسول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے۔

بعثت عام اور ختم نبوت | اگر آپ کی بعثت عام نہ ہوتی اور نبوت ختم ہو جاتی تو آنے والی امت بغیر رسول کے رہ جاتی، یہ بجائے رحمت کے ایک اور رحمت ہوتی، اس لئے جب نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو آپ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پھیلایا گیا۔ تاکہ رہتی دنیا تک تمام انسان کامل و اکمل رسالت کے نیچے آجائیں اور کسی دوسرے رسول کے محتاج نہ رہیں، اور اگر آپ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوت ختم نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی اور کامل رسول آتا اور آپ کی بجائے اس کی اتباع لازم ہوتی، تو آپ کا ناقص ہونا ثابت ہوتا۔ (العیاذ باللہ) اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو قابل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا۔ اس لئے بعثت عامہ کے بعد نبوت کا ختم ہونا ضروری اور لازمی ہو گیا۔

ظنی بروزی نبوت کی کوئی قسم نہیں ہے | تاریخ نبوت پر حسب نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں۔ ایک تشرعی، دوسری غیر تشرعی اور یہ دونوں براہ راست نبوتیں ہیں تو اب نبوت کی ایک اور تیسری قسم (ظنی، بروزی اور بالواسطہ نبوت) کا تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث میں کوئی ایک آیت اور ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی جس میں آئندہ والی امرتہ میں سے کسی کو نبی کہا گیا ہو۔ اور نہ ہی دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا نبی بتلایا جاسکتا ہے جو کسی نبی کے واسطے اور اس کی اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو۔ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کی نفی کر دی گئی ہے۔ اور کسی تفصیل کے بغیر لاشعری بعد میں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، کہا دیا گیا ہے، اسی لئے آپ کے بعد

ہر مدعی نبوت کو کذاب و دجال کہا جا رہا ہے کسی حدیث سے ظلی، بروزی، نبوت کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی، بہرہ آخر کسی دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے۔ کیا آیت خاتم النبیین کے عموم میں محض اختراعی تقسیم کی وجہ سے تخصیص پیدا کر کے قرآن کریم میں کھلی تحریف کا ارتکاب کر لیا جائے؟

فنائی الرسول اور اتباع کی وجہ سے بھی نبوت نہیں مل سکتی | اگر فنائی الرسول اور اتباع رسول کی وجہ سے کسی کو نبوت مل سکتی اور امت میں کوئی ہلکی سے ہلکی نبوت بھی جاری ہوتی تو صدیق اکبرؑ اور علی مرتضیٰؑ کو ضرور اس سے حصہ دیا جاتا مگر حالت یہ ہے کہ شب ہجرت میں حضرت علیؑ آپ کے بستر پر ساری رات آپ کی جگہ قربان ہونے کے شوق میں پڑے ہوئے ہیں، صدیق اکبرؑ راستہ کے ہر خطرناک موقع پر سر رکھتے حاضر ہیں، مگر فنائی الرسول کے سمندر کے ان شناوروں کو نبوت کا چھوٹا سا چھوٹا موتی بھی ہاتھ نہیں آیا، بلکہ اگر کسی کے متعلق سیاق کلام میں نبوت کا کوئی ادنیٰ احتمال بھی پیدا ہوتا نظر آیا تو اس کو بڑی صفائی سے دور کر دیا گیا۔ اور کسی کے لئے لفظ نبی کی گنجائش نہیں دی گئی۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک جاتے ہوئے حضرت علیؑ کو جب مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا اور امانت رضی ان تکون تج بمنزلہ ہارون من موسیٰ میں اس علاقہ اور نسبت کا تذکرہ آیا جو صرف موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا تو الا انہ لا نبوة بعدی۔ (رواہ سلم) فرما کر اس غلط فہمی میں پڑنے سے امت کو بچا لیا کہ حضرت علیؑ کی خلافت و جانشینی کبھی کہیں حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح خلافت نبوت نہ ہو۔

تنبیہ | ایسی حدیثوں میں حضرت علیؑ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات گرامی سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے۔ اسی لئے امت بمنزلہ ہارون نہیں فرمایا بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عنایت کے زمانہ میں، کوہ طور جاتے ہوئے اپنی قوم کی نگرانی کیلئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اپنی عنایت میں تبوک جاتے ہوئے، میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے، تم نبی نہیں ہو۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی کی بدولت ملتی اور وہ ظلی بروزی نبوت کہلاتی، مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب اتباع رسول

سے نبوت کے ملنے اور ظلی بروزی، مجازی، کسی طرح کی نبوت کا بھی احتمال باقی نہیں رہا۔
 محدث اور مکلم بھی نبی نہیں ہوتے | حضرت علیؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت
 اخوت تھی اس کے باوجود نبی نہیں بن سکے یہ نسبت اخوت سے بڑھ کر انبیت کی نسبت ہے
 گمان ہو سکتا تھا کہ آپؐ کا کوئی فرزند ہوتا تو شاید وہ نبی ہو جاتا۔ چنانچہ ان کے متعلق حدیث میں یہ ارشاد
 ملتا ہے: *لو عاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً*۔ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو صدیق بنی ہوتے، لیکن جس
 ذات قدیر و حکیم نے ختم نبوت کو مقدر فرمایا تھا اس نے ان کے لئے عالم تقدیر میں اتنی عمر ہی نہیں
 لکھی کہ ان کی علو استعداد ظاہر ہو سکے اور ختم نبوت سے ٹکرائے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی فطرت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وامن اقدس سے
 وابستہ ہو جانے کے بعد کمالات نبوت کا کیسا انعکاس ہوا تھا اور آپؐ کی فطرت کو نبوت
 سے کتنی مناسبت تھی وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ
 کے سایہ سے شیطان ترساں و لرزاں رہنے لگے تھے اور جس راستہ سے عمرؓ نکل جاتیں، تو
 شیاطین وہ راستہ ہی چلنا چھوڑ دیا کرتے تھے وہ بولتے تھے تو بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے
 کہ وحی الہی ان کی موافقت میں بولتی تھی، وہ *ملہم من اللہ* اور محدث امت تھے مگر ان سب
 اوصاف و کمالات کے باوجود بھی ان کے بارہ میں حدیث میں آیا ہے: *لو کان نبی من بعدی*
لکان عمر۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا۔ اس سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی
 ہے کہ محدث اور مکلم بھی نبی نہیں ہوتا۔

حضرت عمرؓ کا محدث ہونا اور نبی نہ ہونا دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں نتیجہ واضح
 ہے کہ محدث نبی نہیں ہوتا۔ حدیث میں بھی من غیر ان یکنوا انبیاء، مگر وہ نبی نہ ہوتے تھے۔
 کہہ کر محدث کے نبی نہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔

اب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت عمرؓ اگر نبی کہلاتے تو ظاہر ہے کہ مجازی طور پر ہی کہلاتے
 مگر جب وہ بھی نبی نہیں کہلاتے تو پھر امت میں کسی دوسرے کو نبی کہلانے کا استحقاق اور جواز کیسے
 حاصل ہو سکتا ہے؟

اگر مبشرات نبوت کا جز ہیں | احادیث میں ایک طرف تو روایا صافہ کو نبوت کا چھپا لیسوا
 تو کیا ان کو نبوت کہا جاسکتا ہے؟ | جز کہا گیا ہے، دوسری طرف بعض بلند اخلاق کو چھپیسوا
 جز قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے: *ہم النبۃ والاقتصاد وحسن السمۃ من ستۃ وعشرین*

جزء من النبوت، ہر بروہاری و متانت، میانہ روی اور اچھی روش نبوت کا چھبیسواں جزو ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہا جاسکتا۔ جب چھبیسویں جزو کو نبوت نہیں کہا جاتا تو چھبیسویں جزو کو نبوت کیسے کہا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ کہ جزو ہمیشہ اپنے کل کے مغائر ہوتا ہے دیکھئے یہی کلمات جن کا مجموعہ اذان کہلاتا ہے، علیحدہ علیحدہ اذان نہیں کہلاتے، عناصر اربعہ انسان کے اجزاء ہیں مگر ان میں سے کسی کو انسان نہیں کہا جاتا، مثلاً پانی انسان کا اہم حصہ ہے مگر انسان نہیں ہے۔ تو رو یا صالحہ نبوت کا چھبیسواں جزو ہو کر نبوت کیسے ہو سکتا ہے؟

انفادہ | رو یا صالحہ نبوت کے حقیقۃً اجزاء نہیں ہیں کیونکہ نبوت کسی ایسی حقیقت مرکبہ کا نام نہیں ہے جس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہو وہ ایک منصب ہے جس کا تعلق صرف خدائی اصطفا اور اعتبار پر موقوف ہے۔ ہاں اس کے کچھ خصائص و لوازم ہیں جو اس کی ماہیت کا جزو نہیں ہوتے۔ کیونکہ اصطلاح میں خصائص و اجزاء میں فرق ہوتا ہے۔ مگر اہل عرف کے نزدیک ان خصائص و فضائل ہی کو مجازاً اجزاء کہہ دیا جاتا ہے۔

ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ | احادیث سے واضح ہے کہ اچھے خواب دیکھنا، امت کمالات سے محروم ہو گئی | الہام، اور فرشتوں کے ساتھ مکالمہ، امت کا دینی اور دنیوی نظم و نسق قائم رکھنا، یہ سب وظائف امت محمدیہ کے محدثین اور خلفاء کی طرف منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ اگر کہیں نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو یہ اپنے کمالات و استعداد کے لحاظ سے اس کے اہل تختے کہ انہیں منصب نبوت سے سرفراز کر دیا جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ امت محمدیہ میں بھی استعداد نبوت تو موجود ہے اور انسانی بلند سے بلند کمالات اسے حاصل ہو سکتے ہیں اس لئے ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہئے کہ امت کمالات سے محروم ہو گئی ہے۔ بلکہ تمام تر کمالات اور پوری استعداد و لیاقت کے باوجود اب چونکہ عہد نبوت پر تقرری کے لئے کوئی جگہ خالی نہیں رہی۔ اور منصب نبوت کا عطا ہونا بند ہو گیا۔ اس لئے اس منصب پر کسی کا تقرر نہیں ہو سکتا۔

ظاہر ہے کہ کسی منصب پر تقرر کے لئے ذاتی استعداد اور قابلیت کے علاوہ تقرر کی جگہ کا خالی ہونا بھی شرط ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں نبی نہیں ہوئے اگر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ ان حضرات میں اتنی لیاقت و استعداد بھی نہ تھی تو یقیناً یہ اس امت کا نقص شمار ہوتا لیکن

اگر تقرر کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے تو اس میں امت محمدیہ کا کوئی قصور نہیں نکلتا ہے۔ یہ بات حکومت کے نظم و نسق کے متعلق ہے کہ وہ کسی عہدہ پر کتنے اشخاص کا تقرر کرنا چاہتی ہے۔

امت محمدیہ کے کمالات اور عظمت | اس سے امت محمدیہ کے کمالات اور عظمت کا اندازہ کرنا چاہئے کہ جن خدمات کے لئے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے۔ اب اس امت کے علماء اور خلفاء اس کو انجام دیا کریں گے۔ اب غور کیا جائے کہ امت محمدیہ کی ہنر و عزت اس میں ہے کہ اسے نا اہل قرار دے کر اس میں نبی پیدا کیا جائے یا اس میں کہ اس کے خلفاء وہ خدمات انجام دیں جو پہلے کبھی انبیاء علیہم السلام اور فرمایا کرتے تھے۔

اسلام میں ختم نبوت کے عقیدہ کو بنیادی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے اس لئے آپؐ نے غور فرمایا کہ اس عقیدہ کی کس کس طرح حفاظت کی جا رہی ہے۔ اگر کہیں ذرا بھی اس بنیادی عقیدہ کو ٹھیس لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور معمولی سے ابہام کو بھی اس سلسلہ میں برداشت نہیں کیا گیا۔

رسولؐ کی حیثیت | اسلام میں رسولؐ کی حیثیت کے متعلق ایک اصولی اور سب سے مقدس عقیدہ یہ ہے کہ اس کی ذات بابرکات امت کے لئے مرضیات الہیہ کا نمونہ اور اسوہ حسنہ بنا کر بھیجی جاتی ہے۔ اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ خالق جل و علا کی نظر میں

مختار پسندیدہ صفات میں وہ سب کی سب کی ذات گرامی میں عجیب و غریب ذاتی صفات ناپسندیدہ ہیں وہ ایک ایک کر کے اسکی ذات عالیہ سے دور کر دی جاتی ہیں، کیونکہ ایسی چیز کے نمونہ کہنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ صاحب نمونہ کی پسندیدگی کا معیار ہے۔

حق تعالیٰ نے جہاں اپنی جانب سے اپنی کتاب قرآن کریم دے کر سرفراز فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا ایک عملی نمونہ بھی عنایت فرمایا تھا، اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ لہذا جس طرح اللہ کی کتاب ہر قسم کے عیب و نقص سے منزہ ہے۔ اسی طرح اس کا نمونہ بھی ہر عیب و نقص سے مبرا اور پاک و صاف ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرح صحابہ کرامؓ نے اسوہ رسول اللہ کو بھی اپنا پیشوا بنالیا، اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کی ذات گرامی کو اسوہ حسنہ فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے کسی لیت و عل کے بغیر آپؐ کو اپنا اسوہ بنالیا۔

اسوہ حسنہ رسولؐ کی عصمت کا دوسرا اہم عنوان ہے | اللہ تعالیٰ نے جس طرح تبلیغ احکام کیلئے آپؐ کو اپنا رسول بنا کر خود بھیجا تھا۔ اس طرح آپؐ کی ذات گرامی کو نمونہ اور اسوہ حسنہ بھی خود ہی بنا کر

بسیا تھا، لہذا جس طرح آپ کے علوم کی قدرت ضامن تھی، اسی طرح آپ کے اعمال و افعال کی بھی قدرت ہی خود نگران تھی، اور عصمت رسول کا مفہوم بھی یہی ہے۔ لہذا اسوہ حسنہ کو رسول کی عصمت کا دوسرا مدلل عنوان سمجھنا چاہیے۔

اب اگر رسول کے کسی قول و عمل میں معصیت کی گنجائش تسلیم کر لی جائے تو وہ باتوں میں سے ایک بات مانتی لازم ہوگی۔ یا رسول کی ذات اسوہ نہ رہے یا معصیت بھی اسوہ کا جز نہ بن جائے اور امتوں کے حق میں معصیت کا یہ عمل بھی مذموم نہ رہے۔ کیونکہ جب وہ معصیت خود قدرت کے نمونہ میں موجود ہوگی تو پھر اس کی اتباع پر امت سے باز پرس کیوں ہوگی، یہ دونوں باتیں ایک لمحہ کیلئے بھی قابل تسلیم نہیں اس لئے یہی بات تسلیم کرنی ہوگی کہ رسول چونکہ معصوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کسی عمل پر معصیت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس کا ہر عمل نظر ربوبیت میں حسنہ اور نیکی شمار ہوتا ہے اور نیکی بھی وہ جسکو نمونہ کہا جاسکے۔

منکرین حدیث کا عقیدہ | ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب رسالت صرف تبلیغ قرآن پر ختم ہو جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک آپ کی حیثیت ایک پوسٹ میں سے زیادہ نہیں تھی۔ (والعیاذ باللہ)

اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ قرآن کریم میں رسول کی کیا حیثیت قرار دی گئی ہے، اوپر معلوم ہو چکا کہ منصب رسالت براہ راست خدا کے انتخاب پر موقوف ہے اور یہ کہ رسالت صرف وہی ہے۔ بندوں کے کسب و انتخاب یعنی عبادت و ریاضات کو اس کے حصول میں کچھ دخل نہیں ہے۔ قدرت رسولوں کا انتخاب خود ہی کرتی ہے۔

قرآن کریم کی واضح آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اہل بیت اور رسولوں کی تعلیم و تربیت خود کرتے ہیں وہ ان کو خود پڑھا کر خود ہی یاد بھی کراتے ہیں۔ سنقراتک فلا تفتی الا ماشاء اللہ۔ ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہ بھولیں گے بجز اس کے جسکو خدا چاہے۔ پھر اس وحی کے بیان کی ان کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھاتے ہیں۔ ان علینا بیان ہے۔ اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے عواطف و میلان قلبی کی بھی نگرانی کرتے ہیں اور ان کے عوائق اور افعال قلبی خطر است کی بھی پوری نگرانی کی جاتی ہے۔ اس لئے امت ان کے متعلق معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے۔ لولا ان ثبتناک لم تدرکہ مت ترکن الیہم شیئا قلیلا۔ اگر ہم آپ کو تمام نہ دیتے تو کچھ نہ کچھ آپ ان کی طرف جھک چلے گئے۔ اس ربانی تعلیم و تربیت، عصمت

اور ہمہ وقت نگرانی کی وجہ سے نبیؐ کی جو بات ہوتی ہے۔ وہ خواہش نفس سے پاک اور صاف ہوتی ہے، اور انہیں رائے کی عصمت بھی حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحی یوحی۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا جو بولتا ہے وہ خدا کی وحی ہوتی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے۔ اور ارشاد ہے: انا انزلنا علیک الكتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراد الله۔ ہم نے آپ پر قرآن سچائی کے ساتھ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے معاملات میں اس رائے کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے۔ رسولؐ کے سوا کسی کے ساتھ یہ وعدہ نہیں ہے کہ مخلوق میں فیصلہ کیلئے اللہ تعالیٰ خود ان میں سمجھ پیدا کر دیتا ہے۔ یہ رائے کی عصمت انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ آیت وما ينطق عن الهوى کے معنی | منکرین حدیث اس آیت کریمہ کو صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں رسولؐ کی صفت نطق کی مطلقاً مدح مقصود ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کے لئے تمام جگہ تلاوت یا قرأت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اگر یہاں قرآن مراد ہوتا تو وما ينطق کی جگہ وما یتلو یا وما یقرأ کا لفظ ہوتا چاہئے تھا۔ منکرین حدیث چونکہ حدیث کے سرے سے مخالف ہیں اس لئے وہ رسولؐ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ موصوف دیکھنا نہیں چاہتے جس کے بعد اس کو عام امراء و حکام سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو جائے۔

اصل یہ ہے کہ رسولؐ اپنی ذات اور تمام صفات میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کان وہ کچھ سنتے ہیں جو عام مخلوق کے کان نہیں سنتے۔ اس کی آنکھ وہ دیکھتی ہے جو عام آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ اسی لئے فرمایا: انی اری مالا ترون، میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اسی لئے آپؐ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس منہ سے سچ بات کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلتا، حتیٰ کہ اپنی خوش طبعی کے متعلق بھی فرمایا ہے۔ انی لا اقول الا حق۔ میں خوش طبعی میں بھی سچی بات کہتا ہوں، اس لئے فرمایا کہ غصہ اور رخصا مندی کے ہر حال میں جو میرے منہ سے نکلے سب لکھ لو۔ وہ حق ہی حق ہوگا۔ جب اس کے عام نطق کا حال یہ ہے تو جو قرآن اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ وہ صدق و صفا کی کس منزل پر ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس جگہ قرآن نے آپؐ کے کسی خاص بات کہنے کے متعلق صفائی پیش نہیں کی، یعنی وما ينطق بالقرآن، وغیرہ نہیں فرمایا بلکہ مفعول کو مذمت کیا ہے۔ لہذا بلاغت کے قاعدہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مفعول مقصود ہی نہیں بلکہ صرف آپؐ کی صفت نطق کی پاکیزگی بتلانا منظور ہے۔ دیکھئے تفہیم زانی کی وہ تقریر جو انہوں نے ہلے دستوں الذین یعلمون والذین لا یتعلمون۔ میں کی ہے۔

(باقی آئندہ)